اسلام اور مغرب کے باہمی اختلافات

The Conflict Between Islam and the West

* پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان

Abstract:

The paper endeavors to shed some light on the relationship between Islamic World and the West especially America. Using narative methodology, we examine the concept of clash of civilisation aggressively followed by the Western Philosophers and thinkers and antegnoistic approach towards Muslims and Islamic Way of life, the gulf between the two is widening to an alarming extent. Looking, at this scenario, the paper suggests that emphasis should be laid on inter-cultural complementarity, reframe differences and pursue the cause of peaceful coexistence among the nations of the world.

مجھے نہیں معلوم کہ رڈ یارڈ کپلنگ نے یہ جملہ کہ 'مشرق' مشرق ہے اور مغرب' مغرب'' یہ کبھی بھی آپس میں مل نہیں سکتے''۔[1] اس تناظر میں کہا تھا لیکن میں اس بات کی معمولی مطالعہ مغرب و مشرق کے پیش نظر یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس مغربی فلاسفر نے کمال کیا ہے۔ بات دو ٹوک کہی ہے اور بغیر لگی لپٹی کے کہی ہے۔ مغرب اور مشرق میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ ایک طرف سے سورج طلوع ہوتا ہے تو دوسری طرف غروب ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع کائنات کے ان دو مخالف خطوں میں جس طرح جغرافیائی بعد ہے اسی طرح ان خطوں میں رہنے والے انسانوں کے افکار اور زندگی کے بنیادی معاملات میں بہت بڑا فرق و اختلاف ہے۔ مغرب کی موجودہ ترقی یافتہ دور سے قبل انسانی سماج کی سطح پر کچھ کچھ مشترکات موجود تھیں لیکن سائنسی ترقی اور اس کے تحت وہاں کے فلاسفر اور

* ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی۔

سائنسدانوں کے نظریات نے انسانی زندگی کو جس طرح متاثر کیا اور مشرق (اسلامی تہذیب و تمدن) سے دور کیا' اس کے پیش نظر متذکرہ بالا مغربی فلاسفر و دانشور کے یہ الفاظ بے ساختہ یاد آجاتے ہیں۔ انیسویں و بیسویں صدی میں مشرق پر مغربی استعماری تسلط اور وہاں کی سائنسی ایجادات و تخلیقات نے اگرچہ مسلمان ممالک کے عوام کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ لیکن اس کے باوجود کشمکش جاری ہے۔ مغربی ممالک اور امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے طرز زندگی سے وہ لوگ کیوں خائف ہیں۔ کیوں مسجد کے مینار اور خواتین کے حجاب سے پرخاش رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ یہ سب ممالک سیکولرازم کے دعویدار ہیں لیکن ان کی سیکولرازم اندر سے اتنی کمزور ہے کہ فرانس کے ساحلوں پر مسلمان خواتین کی برقینی پہننے سے تھر تھر کانپنے لگتی ہے اور برقینی پر پابندی لگوا دیتے ہیں۔ مغرب کی حکومتیں اور ان کے دانشور ظاہراً اسلام کی تعریف کرتے اور مسلمان حکومتوں اور عوام کے ساتھ اچھے تعلقات اور انسانی حقوق کی پاسداری کا نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں اور ہمارے ہاں کا حکمران' اشرافیہ اور نو دولتیا طبقہ ان کا مداح بھی ہے اور ان کی تہذیب میں رنگا ہوا بھی۔ لیکن اس کے باوجود مغرب اور مشرق کے درمیان وہ تعلقات استوار نہ ہوسکے جو بنی نوع انسان کے لئے باہمی استفادے اور بقائے باہمی پر مبنی ہوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں؟ جب آج ہم سب یعنی مغرب و مشرق' شمال و جنوب' مواصلات کی ترقی کے سبب ایک عالمگیر معاشرے اور نئے ورلڈ آرڈ کی تشکیل کی بات کرتے ہیں تو اس کے لئے انسانیت کی سطح پر بقائے باہمی کے لئے اقوام متحدہ کے ذریعے وہ بنیادی اصول وضع کرنے اور ان پر عمل کرنے میں کون سی چیز یا عوامل مانع ہیں۔ انیسویں صدی کے بعد مسلمانوں نے مغرب کے ساتھ بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش کرلی' لیکن مغرب کا ذہن و داغ اور دل صاف نہ ہوسکا۔ اس کی وجہ اس کے پیچھے وہ موروثی فکر (Legacy) ہے جو مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کے ساتھ کشمکش کی صورت میں ملی ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دیوار برلن کے گرنے سے دنیا میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ اس دیوار کے گرنے یا گرانے میں مسلمانوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے گرنے کے بعد ہم مسلمانوں میں ایسے دانشوروں اور پالیسی سازوں کی بہت کمی محسوس ہوئی جو اس عظیم واقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور امت مسلمہ کے مستقبل کی حفاظت و ترقی کے لئے نیا لائحہ عمل تیار کرتے۔ ہم اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور جنرل حمید گل مرحوم کے ڈرائنگ روم میں دیوار برلن کا ٹکڑا دھرے کا دھرا رہ گیا۔ لیکن مغربی سیاستدانوں' پالیسی سازوں اور دانشوروں اور لکھاریوں نے اس کے لئے خوب تیاری کرکے اپنے ملکوں کی خارجہ پالیسی کے لئے نئے اصول اور حکمت عملیاں وضع کیں۔ جاپانی نژاد امریکی مفکر فرانس فوکویاما نے امریکی رسالے (ذرا نام پر غور فرمائیں) نیشنل انٹرسٹ میں ''انتہائے تاریخ'' (The end of

History)کے عنوان سے اپنے شہرہ مضمون میں دنیا بالخصوص عالم اسلام کو یہ پیغام دیا کہ کسی نے اس دنیا میں رہنا ہے تو امریکی تہذیب و فکر کے ساتھ رہنا ہوگا کیونکہ اس تہذیب کو گزشتہ سو سال کی عملی جدوجہد کے طفیل جو ترقی ملی ہے یہ انسان کی نظریاتی و فکری معراج ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی تہذیب و فکر نہیں جو اس کا مقابلہ کرسکے یا اس کے متوازی چل سکے۔ اس لئے اب دنیا میں جتنی بھی قابل ذکر تہذیبیں ہیں ان کے درمیان کشمکش ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی ہے اور اب ''راج کرے گا خالصہ'' اور ساری دنیا میں مغربی جمہوریت کے سوا کوئی دوسرا نظریہ یا نظام نہ آنے والا ہے اور نہ چلنے والا ہے۔ فوکویاما نے اپنی دانست میں بہت بڑی بات کی اور اپنے ملک و قوم کے مفادات کو تحفظ دینے کے لئے بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انکی یہ بات علمی' فکری اور دنیا میں موجود دیگر ٹھوس و مدلل نظریات کے پیش نظر درست نہ تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان دنیا سے کوئی اٹھتا اور مدلل جواب پیش کرتا لیکن اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اپنے دین کی حفاظت و حقانیت کے لئے عجیب انتظام وتدابیر فرماتا ہے۔ فوکویاما کی اس فکر کے برعکس برنارڈ لیوس جو بش کے مذہبی امور کے مشیر بھی رہے ہیں نے ایک بڑا ہی الارمنگ مضمون بعنوان(The Roots of Muslim Rage) (مسلم غم و غصہ کی جڑیں) لکھا اور اس میں تہذیبوں بالخصوص اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم کے نظریے کو پورے پس منظر کے ساتھ ایک حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ اس نے لکھا کہ ''اسلام خیر و شر کی کشمکش میں سیاست اور عسکری قوت کا حصول ضروری سمجھتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یاد کریں' وہ صرف ایک پیغمبر اور معلم ہی نہ تھے دوسرے مذاہب کے بانیوں کی طرح، بلکہ وہ ایک قوم (امت)' ریاست کے سربراہ' حکمران اور سپاہی (سپہ سالار) بھی تھے۔''[۲]

ہن ٹنگٹن نے اپنی کتاب میں تہذیبوں پر بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا کہ مغربی تہذیب اپنی سیاسی' معاشی اور علمی طاقت اور غلبہ کے زور پر پوری دنیا کو اپنے مخصوص نظریات (سیکولرازم وغیرہ) کے تحت دیکھنا اور پرکھنا چاہتی ہے اور یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب ترقی کے سبب غالب رہنے کے قابل اور مستحق ہے۔[۳]

۱۹۹۰ء کے عشرے میں جس کتاب پر سب سے زیادہ بحثیں اور سیمینارز اور مکالمہ وغیرہ ہوئے وہ اسی امریکی مصنف کا ایک مضمون تھا جو امریکی رسالے فارن آفیئرز میں چھپا تھا۔ لیکن اس مضمون پر دنیا بھر کے دانشور اور علمی حلقوں سے جو رد عمل ظاہر ہوا اور اس کو جو اہمیت ملی ہن ٹنگٹن نے اس کو موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے اس مضمون کو ۱۹۹۶ء میں وسعت دے کر (The Clash of Civilization and Remarking of the new world order)کے نام سے دنیا کے سامنے کتابی صورت میں پیش کیا۔

۱۱/۹ کے بعد امریکی صدر بش کی زبان سے یہ جملہ افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہونے کے بعد جب صلیبی جنگوں کا آغاز دوبارہ ہوگیا ہے کی صورت میں سامنے آیا اور بعد میں اسے زبان کی پھسلن قرار دیا گیا جو قرآن کریم کے الفاظ میں ''ان کی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے'' کے مصداق بالکل صحیح تھا' نے اس کتاب (تہذیبوں کا تصادم) پر بحث و مباحثہ ایک نئے انداز میں شدت کے ساتھ آگے بڑھایا۔ پاکستان اور عالم اسلام تک اس کتاب میں پیش کئے گئے نظریئے کی حدت پہنچ تو گئی لیکن عالم اسلام میں فکری و نظریاتی انارکی و انتشار اور علمی ضعف اور ناقدری کے سبب بہت کم حلقوں میں اس کی بازگشت سنائی دی۔ یہاں تک کہ عالم اسلام اور پاکستان کی جامعات میں کسی ڈھنگ کا سیمینار یا کانفرنس تک اس کتاب پر بحث و تمحیص کے حوالے سے منعقد نہ ہو سکی۔ بدقسمتی سے ہماری جامعات میں علوم کو وہ وقیع اور ٹھوس توجہ ابھی تک حاصل نہیں ہو سکی ہے جو جامعات کا خاصہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دینی حلقوں اور رائٹ ونگ کی جانب سے ایک آدھ مضمون یا کتاب و کتابچہ وغیرہ اگر کہیں آیا تو آیا ورنہ ٹو دی پوائنٹ جواب آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بھی ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے مدارس اور دائیں بازو کے اکثر علماء اور دانشور مغربی فلسفے اور بالخصوص ۱۱/۹ کے بعد مغربی سائیکی اور ذہن کو پڑھنے کے لئے مطلوبہ علمی قابلیت' زبان اور اسلوب و لہجہ سے لیس نہیں۔ ہن ٹنگٹن نے بہت کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم ناگزیر ہے بلکہ یہ تصادم شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت اسلامی دنیا اور مغرب اور امریکہ وغیرہ کے درمیان جو صورتحال برپا ہے اس کو ریاستی اور حکومتی مجبوریوں کے تحت جو بھی نام دیا جائے اس کے لئے کوئی نہ کوئی جواز و بہانہ وغیرہ تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تہذیبی تصادم ۱۱/۹ کے بعد بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور یہ تصادم اور ٹکراؤ یا جنگ سیاست' معاشیات اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں نہیں ہے کہ وہ تو مغرب کب کا جیت چکا ہے بلکہ یہ تصادم خالص تہذیبی بنیادوں پر جاری ہے۔[۴]

افسوس کہ عالم اسلام میں علمی اور تحقیقی ادارے موجود نہیں اگر کہیں ہیں تو برائے نام اور اگر کہیں نجی شعبہ میں چند سخت جان اور سرپھرے قسم کے لوگ مغرب کو علمی اور تہذیبی بنیادوں پر جواب دے بھی رہے ہیں تو حکومتی حوصلہ افزائی کے بجائے اکثر ان کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہی ہوتا ہے۔

مغرب کا جنگجو اور اسلحہ مافیا بھرپور کوشش میں ہے کہ ہنٹنگن کے نظریات کو عملی شکل جتنا جلد ممکن ہو دیدے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب اپنی ساری رعنائیوں اور عالمگیر دعوؤں کے باوجود

بعض بنیادی نقائص کی وجہ سے (بالخصوص دہرے عالمی معیارات کے سبب) روبہ زوال ہے۔ لیکن اس کی بھرپور کوشش ہے کہ وہ آئندہ ایک صدی اور سپر پاور کی حیثیت سے دنیا پر حکمرانی کرے۔

ہن ٹنگٹن سے پہلے مغرب کے کئی ایک مؤرخین نے دنیا کی تہذیبوں کے حوالے سے بات کی ہے اور ان کے درمیان اختلافات کی نوعیت بیان کی ہے لیکن ہن ٹنگٹن نے عجیب بات یہ کہی ہے کہ دنیا میں تین تہذیبیں قابل ذکر ہیں۔ مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب اور چینی (کنفوشس) تہذیب۔ امریکہ اور مغرب کو خطرہ ہے کہ اگر کہیں کنفوشس تہذیب نے اسلامی تہذیب کے ساتھ ہاتھ ملایا تو آئندہ کی سپر پاور کے تخت پر چین براجمان ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے پہلو میں اسلامی تہذیب اپنی محبت وعفو درگزر اور اخلاقی عظمت کی نشأت ثانیہ کے ذریعے دوبارہ چین کو اپنے دامن میں لے کر غالب ہو جائے۔ سی پیک کے خلاف امریکہ، بھارت، اسرائیل اور بعض دیگر ممالک کی لن ترانیاں کہیں تہذیبی تصادم کی صورت تو نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب کے ساتھ مغرب کا اختلاف تہذیبی اور ثقافتی بنیادوں پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اس میں چار عوامل اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ (۱) مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کے ساتھ بے روزگاری میں اضافہ کے سبب نوجوانوں کا اپنے مسائل کے حل کے لئے مغرب کی طرف ہجرت (۲) مغرب کا طاقت کے بل بوتے پر اپنے تہذیبی اقدار کو مسلمانوں پر بزور مسلط کرنا (۳) اشتراکیت کے خاتمہ کے بعد مغرب اور اسلام کا آمنے سامنے ہونا (۴) مغرب کی عالمگیریت میں مسلمانوں کو اپنی شناخت کی فکر کا دامن گیر ہونا[۵]۔ برنارڈ لیوس امریکہ کی مشہور پرسٹن یونیورسٹی کا پروفیسر ہے۔ اسلام اور مشرق وسطیٰ (عرب دنیا) پر اسلامی تہذیب وتمدن وتاریخ کے مطالعہ وتحقیق کے حوالے سے بہت زہریلی تحریروں وتالیفات کے لئے معروف ہیں۔ لیکن اپنی تحریروں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب اور بغض کو ملفوف کرکے پیش کرنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں اور ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے کھل کر اپنے مخالفانہ جذبات کا اظہار کرنے سے پہلو بچا کر نکلتے ہیں۔ تہذیبوں کے درمیان تصام کے نظریات کے اصل خالق یہی صاحب ہیں لیکن ان کے نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے زیادہ منظّم انداز میں جس شخص نے تصادم کے نظریے کو پیش کیا وہ سیموئیل پی ہن ٹنگٹن ہیں جو امریکہ کی نیشنل سیکیورٹی کونسل میں منصوبہ بندی کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب تہذیبوں کے تصادم میں تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) میں فوکویاما کے نظریات کو رد کرتے ہوئے آئندہ کے لئے تصادم کی بنیاد تہذیبوں کے درمیان جنگ کو پیش کیا۔ ہن ٹنگٹن کے مطابق (تو بجا ہے) اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم کوئی نئی بات نہیں کیونکہ یہ اختلاف اور کشمکش گذشتہ تیرہ سو برس سے جاری ہے۔ مغرب کے اکثر وبیشتر

سکالرز اور مؤرخین اس بات کا کھل کر اعتراف کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور چالبازیوں کے علاوہ موقع بہ موقع جارحانہ رد عمل کے اظہار سے کبھی نہیں ہچکچایا۔ ۹/۱۱ کے بعد تو عالم اسلام کو اپنے دفاع وسلامتی کی ایسی پڑ گئی ہے کہ اپنے مرض کے اسباب کو جانتے بوجھتے ہوئے اسی ''عطار'' کے لونڈے سے دوا لینے پر مصر ہے جس کے ہاتھوں وہ بیمار ہوئے ہیں۔[۶] ''تہذیبوں کے تصادم'' میں پچھلے ۳۰۰ برسوں کی تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسلام کے طلوع وعروج کے فوراً بعد عربوں نے مغرب پر چڑھائی کی جس کے رد عمل کے طور پر صلیبیوں نے مسیحی (پاپائیت) حکومت قائم کرکے مسلمانوں پر جوابی حملہ کیا اور یوں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جو خلافت عثمانی کے زوال پر منتج ہوا۔ تب برطانیہ، فرانس، اٹلی اور بعض دیگر مغربی ممالک مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے مسلمان ملکوں پر قابض ہوئے۔ لیکن مغرب کے علماء، سیاستدانوں اور دانشوروں کو بخوبی معلوم تھا کہ مغرب اسلام کے خلاف سازشوں اور مکروفریب سے زیادہ دیر تک مخاصمت اور مقاومت کا یہ سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اور وہی ہوا کہ بیسویں صدی کی سترھویں عشرے تک سارے مسلمان ممالک مغربی استعمار سے آزاد ہوئے۔ لیکن مغرب نے بہت سوچ سمجھ اور اپنی سائنسی، علمی برتری کے زور پر اپنی تہذیب اور اقتدار کو دنیا بالخصوص عالم اسلام میں موجود اپنے ایجنٹوں اور آلۂ کار کے ذریعے مسلط کرنے کی منصوبہ بندی کی اور اسلامی تہذیب کو مغرب کے عوام کے لئے ایک بڑے خطرے کے طور پر پیش کیا۔ مغرب کو معلوم ہے کہ اسلام ایک زندہ اور ہدایت ورہنمائی پر مبنی اصولوں پر قائم ضابطہ حیات ہے جس کو آج اسلامی بنیاد پرستی کا نام دیا گیا ہے اور ۹/۱۱ کے بعد اس کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے جبکہ قرآن وسنت پر نظر رکھنے والے ہر صاحب نظر کو معلوم ہے کہ اسلام دہشت گردی کا دنیا کے سارے مذاہب اور تہذیبوں سے بڑھ کر مخالف ہے۔ ''اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا'' اس لئے ہن ٹنگٹن لکھتا ہے کہ ''مغرب کا بنیادی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسلام ہے جو ایک مکمل نظام اور تہذیب کی صورت میں اپنی بقاء واظہار کا قائل ہے اور دنیا کے اکثر مسلمان اپنی تہذیب کی کمتری پر پریشان ہے۔[۷]

مغرب ہی کے ایک فرزند (مسلمان) مرد ہووف مین نے ہن ٹنگٹن کے نظریئے کے بارے میں جا بجا فرمایا ہے کہ ''ہن ٹنگٹن غلط ہو سکتا ہے لیکن وہ بے وقوف نہیں ہر گز نہیں۔ اسلامی بنیاد پرستی، دہشت گردی، انتہا پسندی، ریڈیکل اور پولیٹیکل اسلام جیسے الزمات اور عنوانات لگانے اور پھیلانے میں مغرب کا اصل ہدف اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی رگ جاں اسلامی تہذیب وثقافت ہی ہے۔ اس لئے اس نے اس کو نشانہ ملامت بنانے کے لئے اپنے ترکش کے سارے تیر

آزماتے ہوئے آج کے طاقتور میڈیا کے ذریعے ساری دنیا میں اس کے خلاف پرزور پروپیگنڈا کیا تاکہ پوری دنیا اسلام، اسلامی تہذیب اور اسلامی دنیا کے خلاف یکجا ہو کر صف آراء ہو جائے اور اس وقت دنیا میں اسلام، پاکستان، سعودی عرب اور دیگر عرب اسلامی ممالک کے خلاف جو تماشا بنا ہوا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارا پڑوسی مسلمان ملک افغانستان امریکہ سے درخواست کر رہا ہے کہ پاکستان پر دباؤ بڑھا کر کوریا کی طرح تنہا کیا جائے۔ (ان کے منہ میں خاک)

مغرب اور دنیا کے سارے دانشور بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح صرف مذہب نہیں ہے بلکہ یہ دین (Law of the Land) کے طور پر دنیا کے طاقتور ترین تہذیب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے پاس پوری دنی اکے لئے ایک متبادل معتدل اور عادلانہ نظام حیات پیش کرنے کی پوری استعداد جو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں فی الوقت روبہ عمل نہیں ہے۔ لیکن مستقبل میں ضرور ایسا اور عادلانہ نظام حیات پیش کرنے کی پوری استعداد ہے جو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں فی الوقت روبہ عمل نہیں ہے۔ لیکن مستقبل میں ضرور ایسا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے مؤرخین، مفکرین، پالیسی ساز، سیاستدان، ادباء یہاں تک کہ صحافی اور فلم کی سکرپٹ لکھنے والے سب اس بات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں کہ The Red manance is gone but here is Islam (سرخ خطرہ (اشتراکی سویت یونین) تو ختم ہوگیا لیکن اب اسلام ہے)۔[۸]

اسی لئے مغرب کی حکومتیں اور ان کے دانشور اسلام کو اپنے عوام کے لئے ایک دشمن اور واضح دشمن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے اسلام از اسلام۔ اس لئے ہن ٹنگٹن اپنے ایک انٹرویو میں کھل کر اظہار کرچکا ہے کہ ''ریڈیکل'' اسلام ایک مسئلہ بنا ہوا ہے اور جدید اسلام (تصوف وغیرہ) کے ذریعے اس مسئلے سے نمٹا جاسکتا ہے۔

ایڈورڈ سعید (جو لبنانی نژاد مسیحی امریکی نامور سکالر گزرا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ اور مغرب کو اندر سے دیکھنے کے بعد وہ غیر اعلانیہ طور پر اسلام قبول کرچکا تھا۔ (واللہ اعلم)۔ مغرب کے اسی طرز فکر کے بارے میں کہتا ہے ''یورپ اور امریکہ کے عوام کے لئے ان کی حکومتوں نے میڈیا (نشرواشاعت کے سارے ذرائع استعمال کرتے ہوئے) کی ذریعے اسلام کو ایک ناپسندیدہ وناگوار خبر کا عنوان بنا کر پیش کیا ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ اسلام مغربی تہذیب کے لئے سخت خطرہ ہے''۔ امریکہ کے مشہور تھنک ٹینک رینڈر کارپوریشن نے دنیا کے مسلمانوں کے بارے میں ایک سروے رپورٹ تیار کی تھی

جس کا نتیجہ یہ سامنے لایا گیا تھا کہ امریکہ اور مسلمان ایک دوسرے کے حریف ہیں اور اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا اپنے دین و تہذیب سے جڑے رہنا ہے"۔[۹]

مغرب نے اسلام کے ساتھ مخاصمت ثابت کرنے کے لئے بے شمار اسباب وذرائع بیان کئے۔ مستشرقین کی پہلی کھیپ نے اسلام کو مشکوک ومشتبہ بنانے کے لئے ایک صدی لگائی اور کتب کے انبار لگالئے۔ دوسرے مرحلے میں الزامات کے ذریعے تصادم کی راہیں تلاش کرکے جنگیں کروائیں۔ آج ایک دفعہ پھر جدید دنیا میں حدید الزامات کے ساتھ مغرب اسلام کے مقابل کھڑا ہو کر پانی گدلا کرنے کی بھرپور کوشش میں ہے اور بار بار سٹریوٹائپ باتیں کہ اسلام جدیدیت اور جدید تضاضوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ عورتوں کے حقوق اور آزادی کے خلاف ہے۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان کوئی مطابقت نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان سارے الزامات کے باوجود یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے ہ اسلام تہذیبوں کے تصادم کا نہ قائل ہے اور نہ کوئی ارادہ رکھتا ہے۔ اسلام کا ماضی کھلی کتاب کی طرح ہے جس میں اسلام نے دوسری تہذیبوں سے جنگ وتصادم کی جگہ تحمل، برداشت، عفو ودرگزر اور دعوت واصلاح ہی کو ترجیح دی ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "تہذیبوں میں مکالمہ، تعاون، مسابقت حتی کہ مثبت مقابلہ سب درست لیکن تہذیبوں میں تصادم، جنگ وجدال، خون خرابہ اور ایک دوسرے کو مغلوب ومحکوم بنانے کے لئے قوت قوت کا استعمال انسانیت کے شرف اور ترقی کا راستہ نہیں ہے۔ مراد ہوف مین نے اس سلسلے میں کمال کی فکر عطا کی ہے "تہذیبوں کے ارتقاء میں کبھی کوئی زیرو پوائنٹ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر شخص نے کسی دوسرے شخص سے فیض پایا اور ہر شخص نے کسی دوسرے کی کامیابیوں پر اپنی عمارت کھڑی کی ہے"۔[۱۰]

مغرب کو چاہئے کہ اپنی کامیابیوں میں دنیا بالخصوص اسلامی دنیا کو شریک کرے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے عمل وفکر کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور روحانیت سے پوری دنیا بالخصوص مغرب کی اندر کی تاریکیوں کو روشن کرے تاکہ اس دنیا کو جنت نظیر بن کر آخرت کی راہیں ہموار ہوں۔

Bibliography:

1. Robert Lawson, World Religion and World Community, Columbia University Press, New York, 1963
2. Saeedullah Qazi, Islam and Challenges of the Contemporary World, N.B. Printers, Mohallah Gani, Peshawar, 1994.
3. Said E.W. Covering Islam: How the Media and the Experts Determine; How we see the rest of the world; Pantheon Books, New York, 1981

4. Zafar Ali Qureshi, Prof. Prophet Medean and Western Critics, Mansura-Lahore, 1992.
5. Maryam Jamila, Islam and Orientalism, Al-Matbaat ul Arabia, Old Anarkali, Lahore.

حوالہ جات:

[1] - Ronyard Kipling, "The Balled of East &West and never the twain shall meet"… is a poem by. It was first published in 1889 and has been much Collected.

[2] - Francis Fukuyama, The End of History and the Last Man, International Affairs Journal, 1989.

[3] - Bernard Lewis, The Roots of Muslim Rage, The Atlantic Manthly, Sept., 1990.

[4] - Samuel Hintington, Clash of Civilization, Oxford University Press, 1992.

[5] - ترجمان القرآن، شمارہ نومبر ۲۰۱۶، ڈاکٹر انیس احمد۔

[6] - Zafar Ali Qureshi, Prof. Prophet Muhammad and Western Critics, Mansora, Lahore, 1992

[7] - S. Hingtington, Clash of Civilization.

[8] - Saeedullah Qazi, Islam and Challenges of the Contemporary World, N.B. Printers, Peshawar, 1994.

[9] - Said E.W. Covering Islam, Pantheon Books, New York, 1981

[10] - ترجمان القرآن، پروفیسر خورشید احمد، شمارہ ستمبر ۲۰۱۶